# مولانا وحید الدین خان

(۱۹۲۵-۲۰۲۱)

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، آکسفورڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برسوں لگی رہی ہیں ان مہر و مہ کی آنکھیں

تب کوئی ہم سا صاحب صاحب نظر بنے ہے

ابھی خبر ملی کہ آج (بروز چہار شنبہ ۹ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ اپریل ۲۰۲۱) ہندوستان کے معروف اسلامی مفکر و مصنف مولانا وحید الدین خان کا چھیانوے سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ کئی دہائیوں سے برصغیر میں ان کی انفرادیت مسلم تھی۔ وہ تقلید، قدامت پسندی اور اکابر پرستی سے دور تھے، مجتہدانہ اور محققانہ شان کے حامل تھے، اور ان کو تخلیق و ابتکار سے دلچسپی تھی۔ وہ 'انہیں' کو 'ہے' میں بدلنے کے قائل تھے، اور اس کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرتے۔ یہ انہیں کا قول ہے: "جو لوگ تخلیق کی صلاحیت کھو دیں، وہ کسی اور چیز کے ذریعہ یہاں اپنا مقام نہیں پاسکتے۔ خواہ وہ کتنا ہی شور و غل کریں۔ خواہ ان کے فریاد و احتجاج کے الفاظ سے تمام زمین و آسمان گونج اٹھیں۔ وہ لاؤڈ اسپیکروں کا شور تو برپا کرسکتے ہیں، مگر وہ استحکام کا خاموش قلعہ کبھی کھڑا نہیں کرسکتے۔" ــــــــ کتاب زندگی، ص۔ ۱۱

مولانا کی پیدائش اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تعلیم پائی، ذاتی محنت سے انگریزی میں دسترس حاصل کی اور علوم جدیدہ کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران اپنی سب سے معرکۃ الآراء کتاب مذہب اور جدید چیلنج تصنیف کی، جو مجلس تحقیقات و نشریات اسلام سے سنہ ۱۹۶۶ میں شائع ہوئی، اور اس کا عربی ترجمہ الاسلام یتحدی کے نام سے کویت سے سنہ ۱۹۷۰ میں طبع ہوا۔ جماعت اسلامی سے وابستہ رہے، الجمعیت میں کچھ روز کام کیا، پھر سب سے الگ ہو کر اپنی منفرد شناخت بنائی، اور مثبت تحریروں کے ذریعہ فکر اسلامی کے ارتقاء میں حصہ لیا۔

ندوہ کی طالب علمی سے میں الرسالہ کا قاری رہا ہوں، اور ہمیشہ مولانا کے مضامین بڑے شوق سے پڑھتا۔ مولانا ریڈرز ڈائجسٹ اور انگریزی اخبارات اور مجلات سے چھوٹی کہانیوں کو لے کر ان سے بہترین استنتاج کرتے تھے۔ انگریزی مواد سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے ان پر انگریزی تعبیرات کا غلبہ ہوگیا تھا۔ اس سے ان کی اردو بھی متاثر ہوئی، جس طرح کہ ہمارے بہت سے علماء پر عربی تعبیرات کا غلبہ رہتا ہے۔ علامہ شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، اور مولانا مودودی کے بعد علماء میں وہ لوگ نادر الوجود ہیں جو خالص اور مستند اردو لکھتے ہوں۔

مولانا سے پہلی ملاقات نظام الدین میں ان کے گھر پر سنہ ۱۹۸۳ میں ہوئی۔ وہ ابھی جلد ہی وہاں منتقل ہوئے تھے۔ اس وقت وہ زیادہ تر نمازیں مرکز نظام الدین میں ادا کرتے تھے، اور تبلیغی جماعت کی افادیت کے قائل تھے۔ بعد میں تبلیغ کے متعلق ان کی رائے بدل گئی تھی۔ اس ملاقات میں ان سے ایک خاص تعلق ہوگیا تھا، پھر جب بھی دہلی جانا ہوتا تو ان سے ملاقات کی کوشش کرتا۔ مولانا کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر ثانی اثنین خان اور ان کی پوتیاں یہاں آکسفورڈ مجھ سے ملاقات کے لئے بھی آئے، اور ان سے ایمیل کے ذریعہ وقتاً فوقتاً رابطہ بھی رہا۔ ہر ملاقات میں مولانا اپنی کوئی نہ کوئی کتاب ضرور ہدیہ کرتے، اور ان کی گفتگو سے فکر و نظر کے نئے دریچے وا ہوتے۔ ایک بار ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو اپنے گھر کے سارے افراد کو بلایا اور مجھ سے کچھ نصیحت کرنے کے لئے فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی، مگر مولانا کا اصرار جاری رہا تو مولانا ہی کی زندگی کے کچھ اسباق ان کے سامنے رکھے۔ مولانا نے ایک بار مجھ سے میری کتاب الحدثات کے متعلق دریافت کیا اور پوچھا کہ ان خواتین کی زندگی میں غیر مسلم عورتوں کے لئے سیکھنے کی کیا چیز ہے؟ میں نے کسی وجہ سے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے معذرت کرلی۔

انہوں نے بڑی فعال، متحرک اور سرگرم زندگی گزاری۔ وہ ایک محنتی انسان تھے، راحت طلبی سے کوسوں دور تھے۔ ایک بار گرمیوں میں ان سے ملنے گیا تو اپنے بالائی کمرہ میں سخت گرمی میں اپنے کام میں مشغول تھے۔ چھت کی تپش جسم پر محسوس ہو رہی تھی۔ ہم لوگوں کے لئے وہاں بیٹھنا مشکل تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس گرمی میں آپ کو کسی ٹھنڈے کمرہ میں کام کرنا چاہئے تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی عادت ہوگئی ہے، اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔ محنت کا یہ جذبہ ان کی حیرت انگیز کارکردگی کی روح ہے۔ ان کی یہ بات بڑی قیمتی ہے: "حقیقت یہ ہے کہ تمام علوم محنت کی درسگاہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ تمام ترقیاں محنت کی قیمت دے کر حاصل ہوتی ہیں۔ اور محنت وہ چیز ہے جو ہر آدمی کو حاصل رہتی ہے۔ حتی کہ اس آدمی کو بھی جس کو بیماری نے معذور بنا دیا ہو، جو کالج اور یونیورسٹی کی ڈگری لینے میں ناکام ثابت ہوا ہو۔ محنت ایک ایسا سرمایہ ہے جو کبھی کسی کے لئے ختم نہیں ہوتا۔" ــــــــ کتاب زندگی، ص۔ ۱۲

مولانا بنیادی طور پر ایک مفکر و دانشور تھے، یعنی وہ جذبات و احساسات کی گرفت سے آزاد ہو کر عقل کی رہبری میں کوئی بات کہتے تھے یا کوئی اقدام کرتے تھے۔ برصغیر میں عام مسلمان رہنما اس فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں ان کا حلقہ ان سے کٹ نہ جائے، کہیں ان کی مقبولیت پر آنچ نہ آجائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کی فکر رسوم و روایات کی بندشوں سے نکل نہیں پاتی، اور وہ اسی دائرہ میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ انہیں نہ دوسرے جہانوں کا علم ہوتا ہے اور نہ اپنے بادۂ دردی آمیز کے سوا کسی شراب خالص وصافی کی جستجو ہوتی ہے:

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا

منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

مولانا کا خیال تھا کہ ہندوستان کے علماء و مصلحین روح عصر سے خالی ہیں، انہیں یہ اندازہ نہیں کہ آزادی کے بعد ایک نئے ہندوستان نے جنم لیا ہے۔ ان کے رویوں سے لگتا ہے کہ گویا وہ مغلیہ دور میں، یا خلافت عباسیہ میں، یا عہد آل عثمان میں جی رہے ہیں۔ کور پسندی اور غفلت کے اس ماحول میں وہ تنہا مفکر ہیں جو روح عصر کی منادی کرتا ہے۔ طبقۂ علماء میں اس وقت ان کے علاوہ کوئی نہیں جو عصری اسلوب میں لکھتا ہو۔ اس میں شاید کچھ مبالغہ ہو، لیکن اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جس استقلال کے ساتھ انہوں نے اپنے زمانہ کے انسانوں کو خود ان کی زبانوں میں پیغام حق سنانے کی ذمہ داری نبھائی ہے وہ ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

ان کو سوچنے کی عادت تھی، اور اس دائرہ سے باہر نکل کر سوچتے تھے جس کے اندر عام پڑھے لکھے لوگ مقید ہوتے ہیں، اور جس سے نکلنے کی نہیں سوچ سکتے، بلکہ نکلنے کو کفر و فسق سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا ان بندشوں سے آزاد تھے۔ ان کی یہ بات بالکل سچ ہے: "ہر زمانہ میں ایسا ہوتا ہے کہ بعض خیالات آدمی کے دماغ پر اتنا زیادہ چھا جاتے ہیں کہ ان سے نکل کر آزادانہ طور پر سوچنا آدمی کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہ مذہبی دائرہ میں بھی ہوتا ہے اور غیر مذہبی دائرہ میں بھی۔ یہ بند ذہن ہر قسم کی ترقی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔" ــــــــ کتاب زندگی، ص۔ ۳۹

اس پر ان کا ایمان واجب الاذعان تھا کہ مسلمانوں کی ترقی کا راستہ پر امن ماحول میں کام کرنا ہے۔ ان کا یہ ارشاد گرامی اسلامی مراجع کے وسیع و عمیق مطالعہ کا ثمرہ ہے: "حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں امن کی حیثیت عموم (rule) کی ہے اور جنگ کی حیثیت صرف استثناء (exception) کی۔ اسلام کی تمام تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی عملی زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے۔" ــــــــ امن عالم، ص۔ ۱۳

انہوں نے لوگوں سے اختلاف کیا اور لوگوں نے ان سے اختلاف کیا۔ اور اختلاف اگر مہذب اور معقول ہو تو افکار و نظریات کی تطہیر کا ذریعہ ہوتا ہے، مگر افسوس کہ ان کے متعلق بدگمانیاں بہت پھیلائی گئیں۔ ان کے خیالات کو صحیح و معتدل معیار پر نہیں جانچا گیا۔ خود مولانا نے علامہ اقبال، مولانا مودودی، اور مولانا ابو الحسن ندوی رحمہم اللہ پر جو تنقیدیں کیں ان میں نقائص تھے۔ انہوں نے ان بزرگوں کے سیاق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، اور کہیں کہیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنقید بالکل بیجا ہے۔

مولانا نہ فقیہ تھے، نہ محدث اور نہ قدیم علوم کے ماہر۔ وہ ہندوستان کے موجودہ ماحول میں مسلمانوں کو زندہ رہنے، پر امن طریقہ سے اسلام کی تعلیم اور دعوت عام کرنے اور ترقی کی راہ پر گام زن ہونے کا درس دیتے تھے۔ وہ ممکن کی موجودگی میں ناممکن کے پیچھے وقت ضائع کرنے کو بیوقوفی سمجھتے تھے۔ واقعہ ہے کہ متعدد حیثیتوں سے ان کا طریقۂ کار قابل عمل ہے، اور شاید آئندہ ان کے مخالفین بھی وہی باتیں کریں گے جن پر اب تک تنقید کرتے رہے ہیں۔

کون ہے جو اس کا اعتراف نہ کرے کہ مولانا نے بے شمار انسانوں کے ذہنوں کو متاثر کیا۔ ان کی تحریروں نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی رہنمائی میں بڑا کردار ادا کیا۔ انہوں نے مثبت اور پر امن طریقہ سے ٹھوس اور پائیدار کام کرنے کا نمونہ پیش کیا، اور کتنے مایوس لوگوں کو یاس و ناامیدی سے نکالا اور انہیں جینے کا حوصلہ دیا۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں:

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ALAWRAAQ
Publications
www.alawraaq.com